اور اُس کی دھاڑ باغِ جناح کے ہر شجر کو.. بے شک وہ سلور اوک ہو.. چنار یا بُدھاڑی ہو.. میگنولیا' بائل پام یا ایرو کیریا ہو.. ہر شجر کو یوں لرزاتی تھی کہ اُس کی کمر دوہری ہوتی تھی.. ہر بوٹے اور ہر شجر کو تھرتھراتی تھی.. صرف آخری بوڑھا برگد تھا جس کے تنے یا پتوں میں ذرّہ برابر لرزش نہیں آتی تھی کہ وہ بوڑھے ببر شیر کی دھاڑ کا عادی ہو چکا تھا.. ترت مراد کے مزار کی قربت میں یہ سینکڑوں برس سے سانس لیتا بڑھتا بوڑھا برگد... باریش برگد جس کے کھوکھلے تنے میں دیئے جلائے جاتے تھے.. اُن کے سامنے ہاتھ جوڑ کر منتیں مانی جاتی تھیں.. گیندے کے ہار بھینٹ کیے جاتے تھے صرف وہ تھا جو جنگلے کے پار پنجرے میں بند ببر شیر کی دھاڑ سے متاثر نہ ہوتا تھا کہ وہ دونوں بوڑھے تھے..

وہ چراغ اب بھی جلتے بجھتے تھے.. اگرچہ صبح ہو چکی تھی..

صبح ہو کر دوپہر ہو چکی تھی.. اگر ابھی شبِ دیجور ہوتی تو ان چراغوں کی روشنی دل کے دیئے کی روشنی کی مانند زمینوں کے اندر تک جاتی.. بہت سے شجر.. بیشتر جھاڑیاں.. کئی بوٹے اس باغ میں بے سبب لگتے تھے.. وہ روکھے سوکھے.. ٹنڈ منڈ اور ہریاول سے عاری بے وجہ لگتے تھے.. باغبانوں کی بصیرت پر شک ہوتا تھا کہ یہ جن کی کوئی زیبائش کوئی نمائش نہیں ہیں انہیں یہاں کیوں بویا گیا ہے.. لیکن وہ جو اس باغ میں بلاناغہ ہر موسم میں.. ہر حالت میں آیا کرتے تھے وہ گواہی دیتے تھے کہ سال میں کوئی ایک وقت.. بے شک مختصر ہی سہی.. چند دیہاڑوں کا ہی سہی آتا تھا جب اُس روکھے سوکھے.. ٹنڈ منڈ درخت یا ہریاول سے عاری جھاڑی پر ایک ایسا وقت آتا تھا جب وہ پورے باغ میں سب سے نمایاں ہو جاتا تھا کہ اُس کی شاخوں اور ٹہنیوں پر ایسی کونپلیں پھوٹتی تھیں اور پھر ایسے گل نمایاں ہوتے تھے کہ نظر اور کہیں نہیں صرف اُس پر ٹھہرتی تھی..

کوئی بھی شجر.. جھاڑی.. بوٹا.. روئیدگی.. بے سبب نہ تھی چاہے ظاہر میں وہ روکھی سُوکھی اور بے آبرو ہو.. کبھی نہ کبھی اُس پر بھی وہ وقت آ جاتا ہے جب وہ.. رُوکھی سُوکھی بے آبرو جھاڑی بنی سنوری دولہن بن جاتی ہے اور پورے باغ پر حاوی ہو جاتی ہے.... اس باغِ جہاں میں بھی بہت سے انسان سُوکھے اور بے سبب لگتے ہیں' بے کار اور بے مصرف لگتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ بڑے باغباں نے اُنہیں کیوں تخلیق کیا لیکن اُن پر بھی کبھی نہ کبھی ایک ایسا وقت آ جاتا ہے جب وہ بے مثل ہو جاتے ہیں' چمکتے ہیں' کل عالم پر اپنے نشکارے ڈالتے ہیں اور پھر یکدم بجھ جاتے ہیں۔ تو کوئی بھی ذی روح جو اس باغِ جہاں میں پھوٹتا ہے ہمیشہ پس منظر میں نہیں رہتا' کبھی نہ کبھی دنیا

کی سٹیج پر ایک مرکزی اداکار کے طور پر سامنے آجاتا ہے.. تمام تر روشنیاں اُسے منور کر کے نمایاں کر دیتی ہیں.. اس نظام میں اُلجھاؤ صرف اتنا ہے کہ بیشتر لوگ یہ جان ہی نہیں پاتے کہ اُن پر وہ وقت آ گیا ہے.. وہ مرکزی کردار بن چکے ہیں.. اور وہ ہمیشہ کی طرح بُت بنے کھڑے رہتے ہیں کہ میرے نصیب میں بس گمنامی اور بیکاری ہے اور یوں وہ وقت گزر جاتا ہے' وہ چاہیں تو اُس لمحے کو اپنی پوری زندگی پر محیط کر سکتے ہیں..

شیر پھر سے دھاڑنے لگا..

اُس کی دھاڑ ایسی تھی جیسے وہ دونوں ایک گھنے گھپ اندھیرے جنگل میں بے آسرا ہیں اور اُس کی دھاڑ لرزتے پتوں کو چیرتی اُن تک مرگ کا پیغام لاتی ہے..

''مجھے ڈر لگتا ہے'' نتالیہ نے اپنی چھاتیوں پر بندھے ہاتھ کھول دیئے اور اُس کے بازو کو تھام کر اُس کے شانے کا سہارا لیا ''یہ کہیں اپنے پنجرے سے باہر تو نہیں آ جائے گا؟''

''تمہیں ڈر لگتا ہے؟''

''ہاں..''

''تمہیں کینسر سے ڈر نہیں لگا تھا؟''

اُس کی ہنسی اب بھی دل کو موہ لینے والی تھی.. پچیس برس پیشتر جانے وہ اپنے مقابل کو کس طور مفلوج کر دیا کرتی تھی.. بنگال کا جادو اُن دنوں تو سر چڑھ کر بولتا ہوگا مگر اب اُس کے بالوں کی گھٹا ٹوپ سیاہی میں برفیلی سفید ندیاں تھیں اور پھر بھی اُس کی دل کشی گناہ پر آمادہ کر دینے والی تھی..

''نہیں.. مجھے کینسر سے تقریباً ڈر نہیں لگا تھا.. کیونکہ وہ تو خاموش اور بے آواز ہوتا ہے.. دھاڑتا نہیں.. تم نے کہا تھا کہ آج میں تمہیں ایک سکون میں ٹھہرے ہوئے خاموش باغ میں لے جاؤں گا تو سکون کی یہ کیفیت کیا ہے کہ اس میں ایک شیر دھاڑتا ہے..''

''یہ پنجرے سے باہر نہیں آئے گا..''

''تم اس باغ سے بہت واقف ہو؟''

''یہ ایک ایسا عجوبہ ہے جس سے بہت واقف نہیں ہوا جا سکتا.. یہاں آنے والا ہر شخص اسے اپنی ذات کے حوالے سے پرکھتا ہے.. اس کی پہچان کرتا ہے.. فاتر العقل لوگ.. دھتکارے ہوئے.. پرندوں سے پیار کرنے والے.. تعلیمی اداروں سے بھاگے ہوئے جوڑے... غم زمانہ اور

غم روزگار کے مارے ہوئے.. بیماریوں کے مارے ہوئے..اس عجوبے میں کیسے کیسے لوگ آتے ہیں..''

''تم کیوں آتے ہو؟''

''چمگادڑوں کے لیے..''

''اوہ رئیلی..'' اُس کا منہ ایک امریکی حیرت میں کھل گیا..پہلی بار اُس کی ''اوہ رئیلی'' کی ادائیگی میں اُس کے امریکہ میں برس ہا برس کے قیام کی ایک جھلکی دکھائی دی ''یو مین بیٹس؟''

''ہاں.. یہاں تین ایسے بلند قامت شجر ہیں جن کی چوٹی پر پہنچتے پہنچتے نگاہ کا سانس بلندی کی وجہ سے پھول جاتا ہے اور اُن پر صرف اور صرف چمگادڑیں بسیرا کرتی ہیں..اُن کی شاخوں سے قطار اندر قطار لٹکتی ہیں اور اُن کے سائے تلے جو راستہ ہے وہاں ان کی سیاہ بیٹیں اور اُن کی دل خراش چیں چیں کی آوازیں مجھے متوجہ کر کے اوپر دیکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں..''

''تمہیں چمگادڑیں پسند ہیں؟'' نتالیہ کے ہاتھ میں سے ایک بے اختیار جھرجھری اُس کے بازو میں منتقل ہوئی..

''وہ زندگی کی علامت ہیں''

نتالیہ ہنسنے لگی..دل کو موہ لینے والی ہنسی ہنسنے لگی ''تم کیسے رُودین ہو جو چمگادڑوں کو زندگی کی علامت جانتے ہو''

''میں خواب وخیال کا رُودین نہیں ہوں..''

''یہ تو میں آہستہ آہستہ جان رہی ہوں کہ خطوں میں اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''انہی بلند قامت پیڑوں پر کبھی کبھار لمبی رنگدار دُموں والے غشپ پرندے بھی آن اُترتے ہیں جو شمال کی برفوں سے گھبرا کر ادھر گرم ہواؤں میں آنکلتے ہیں اور جتنے روز وہ یہاں بسیرا کرتے ہیں..دو چار روز..اتنے روز حیرت انگیز طور پر چمگادڑیں وہاں سے کوچ کر جاتی ہیں''

''کہاں جاتی ہیں؟''

''مجھے کچھ معلوم نہیں..''

''چمگادڑیں اور...کون سے پرندے؟''

''غشپ پرندے..''

اس رُودین کا میڈیکل چیک اَپ ہونا چاہیے..نتالیہ نے اُسے انتہائی پُرتشویش نظروں سے دیکھا..چمگادڑیں اور پتہ نہیں کون سے پرندے..ہم ایک ہی گھر میں شب و روز گزارتے ہیں..ساتھ ساتھ رہتے ہیں اگرچہ ہمارے درمیان کوئی جنسی قربت نہیں لیکن اس کے باوجود کیا پتہ یہ کسی رات کوئی اور رُوپ اختیار کرلے میرا گلا دبادے..

رُودین اُس کی تشویش سے ہرگز آگاہ نہ تھا..

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد شیر نے شائد ایک جمائی لی اور پھر سے دھاڑا..اس بار اُس کی دھاڑ نے نتالیہ کو کم ڈرایا..اُس کے دھاڑنے کی عادت ہوتی جاتی تھی..

ابھی تک وہ جنسی قربت میں نہ آئے تھے..

ایک دوسرے کے گالوں اور ہونٹوں پر ایک واجبی اور سراسر روایتی لمس کے سوا وہ ایک دوسرے سے الگ رہے تھے..اس میں شائد عمر کی نقاہت بھی اپنا کردار ادا کرتی تھی اور ایک حجاب بھی..اگرچہ اُن کے آس پاس جو لوگ تھے..ہمسائے تھے..وہ چہ میگوئیاں کرتے تھے..شک شبہ کا اظہار کرتے تھے..

جمائی لینے کے بعد شیر جب پھر سے دھاڑنے کو آمادہ ہوا تو وہ کچھ دیر کے لیے چُپ ہوگئے..

اُس دھاڑ کے احترام میں کچھ دیر کے لیے چُپ ہوگئے..

اُنہوں نے شیر کو دھاڑنے دیا تا آنکہ وہ اپنی کہولت کے باعث نڈھال ہوکر چُپ ہوگیا..

''کتنا عرصہ ہوچکا ہے؟'' اُس نے شیر کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر کہا..

''شائد پچیس برس..''

''شائد کیوں؟''

''تم بے شک بے یقین ہو جاؤ لیکن مجھے کچھ حساب نہیں..برس جتنے بھی گزرے ان کی گنتی میں نہیں کرسکی..میرے حساب میں ابھی میں تمہیں خط لکھ رہی ہوں اُن اُنگلیوں میں قلم پکڑے ہوئے جن میں لہسن اور پیاز کی بُو پوروں تک رچی ہوئی ہے اور ابھی میں تمہارے ہمراہ تمہارے شانے کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی ہوں..درمیان میں جو کچھ گزرا..مجھ پر نہیں کسی اور پر گزرا..''

''کیا تم کبھی بھی اپنے آستانہ رُومی کے پاک صاف ماحول میں یہ امکان دل میں لا سکتی تھیں کہ جس... کسی کو بھی.. تم خط لکھتی ہو بالآخر.. عمر جب ڈھلے گی تمہارے بنگالی بالوں میں سفید ندیاں اُتریں گی تو تم نہ صرف اپنے خاوند کو بلکہ اولاد کو بھی ترک کر کے اُس کسی کے ساتھ ایک ہی چھت تلے زندگی گزارنے لگو گی.. بنا کسی قانونی یا مذہبی بندھن کے.. کبھی یہ خیال دل میں آیا؟''

''یہ سب کسی ایک خیال یا امکان کا نہیں محض نصیب کا کیا دھرا ہے.. ایک گلیشیر میں سے برآمد ہوتی تیز دھار ندی میں اگر چند تنکے گر جائیں تو اُن کے پاس اپنی منشا کے مطابق بہنے کا کوئی اختیار ہوگا؟.. اُن کے بس میں سوائے بے اختیار ہو کر بہہ جانے کے اور کچھ نہیں ہوگا.. میں بھی بہتی بہتی تمہارے کنارے آ لگی ہوں.. کسی اور کنارے بھی جا لگ سکتی تھی..''

اُن کے بنچ کے قریب سمندر پھل نامی درخت کے پتوں میں سے چھوٹے چھوٹے سرخ بیر بہوٹیوں ایسے پھول دھوپ کی تمازت کی تاب نہ لاتے ہوئے ٹپ ٹپ گرتے تھے.. درخت تلے گھاس نہ تھی اور وہ سُوکھی زمین کے سادہ کینوس میں ٹپ ٹپ رنگ بھرتے جاتے تھے..

''یہ امرتا شیر گل کون تھی؟''

''ہوں..'' وہ اپنی اونگھ سے باہر آ گیا.. یہ حوالہ کہاں سے آ گیا.. وہ رُوسی ادیبوں سے تو متعارف تھی لیکن ایک لاہوری مصورہ کے نام سے کیسے آگاہ ہوگئی ''یہ نام کہاں سے آ گیا؟''

''تمہارے کتابوں کے شیلف میں سے.. تم بازار سے سودا سلف لانے کے لیے نکلتے ہو تو اکثر بھول جاتے ہو کہ میں گھر میں ہوں.. واپسی پر اقرار کر لیتے ہو کہ ہاں اتنا عرصہ تنہا رہنے کے بعد مجھے یاد نہیں رہتا کہ کوئی منتظر بھی ہے.. تو اس دوران میں کیا کرتی ہوں.. بالکونی سے سڑک پر سے گزرتی ٹریفک کو تکتی رہتی ہوں.. یا پھر تمہاری کتابوں کو اُلٹتی پلٹتی رہتی ہوں.. ان میں یہ شیر گل بہت ہوتی ہے.. اُس کے بارے میں مضامین.. اُس کی پینٹنگز کی ری پروڈکشنز.. اور ایک بار مال روڈ پر سے گزرتے ہوئے تم نے ایک پرانی عمارت کی جانب اشارہ کر کے.. ایک مبہوم سا اشارہ کر کے یہ کہا تھا کہ امرتا ادھر رہتی تھی.. اور پھر فوراً ہی موضوع بدل کر کسی اور طرف نکل گئے تھے..''

''ہاں..'' وہ کھسیانہ سا ہو گیا ''یہ عورت میری کمزوری ہے..''

''ہر عہد میں کوئی نہ کوئی عورت تمہاری کمزوری رہی ہے..'' وہ پھر سے ہنس کر دل موہنے لگی ''لیکن میں کبھی بھی ان کمزوریوں میں شمار نہیں ہو سکی..''

''تمہیں اُس سے حسد کرنا جائز نہیں کہ وہ میری پیدائش سے بھی پہلے کی بات ہے..
اُس کا باپ ایک سکھ سردار تھا جیسا کہ گل سے ظاہر ہے جو جاٹوں کی ایک ذات ہے اور ماں ہنگری کی تھی.. وہ ان دونوں نسلوں کی تمامتر بے مُہار اور وحشی خصلتوں کی وارث ہوئی.. ساری زندگی بے مُہار اور وحشی گزاری.. یہیں لاہور میں اُسی فلیٹ میں جس کی جانب میں نے ایک موہوم سا اشارہ کیا تھا اُس نے شائد اپنے آپ کو جان سے مار ڈالا اور راوی کے کنارے ایک شمشان گھاٹ میں جلا دی گئی..''

''اُس کا نام بے حد میوزیکل ہے..'' وہ پھر ہنسی ''لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے چہرے کو سُرخ ہونے سے بچا نہیں سکتے.. بلش کر جاتے ہو''

''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ میری پیدائش سے بہت پہلے کی بات ہے.. وہ کمال کی مصورہ تھی اور اُس کی دل آویزی اور کشش اُس کی مبہم بلیک اینڈ وہائٹ تصویروں میں بھی چھلکتی ہے.. اُس کی آزاد رُوح' بے راہروی اور تخلیق قوت اتنی شدت سے مجھ پر اثر کرتی ہے کہ میں خواہش کرتا تھا کہ کاش میں اُس کے زمانوں میں ہوتا''

''اگر ہوتے تو کیا کرتے؟''

''اُس کے چاہنے والوں کی لمبی صف میں کھڑا ہو کر انتظار کرتا..''

''تمہاری باری آ جاتی؟'' اُس نے ہنسنا ترک نہیں کیا تھا.. وہ اُس کی اس کمزوری کا لطف لے رہی تھی اُسے چھیڑ رہی تھی...

''ہاں..'' اور وہ سنجیدہ تھا'' کیونکہ وہ ایک نمفومینک تھی.. اُسے اپنے مرد بدلنا پسند تھا.. کیا تم تصور کر سکتی ہو کہ ابھی پچھلے ہفتے ایک انگریزی اخبار میں ایک اَسّی برس سے تجاوز کر جانے والے بوڑھے نے اعتراف کیا ہے کہ امرتا نے مجھ سے تقریباً زبردستی کی تھی.. میرا کوئی دوش نہ تھا نہ خواہش تھی لیکن اُس نے مجھے مجبور کیا تھا.. کیونکہ وہ پیش قدمی ہی ایسے انداز میں کرتی تھی..''

''پیش قدمی؟''

''ہاں.. ہاں اُس نے اقرار کیا کہ وہ اُس فلیٹ میں.. مال روڈ کے کنارے اُسی فلیٹ میں آتش دان کے سامنے اپنے آپ کو لباس سے الگ کر کے لیٹ گئی.. اور یاد رہے کہ یہ برطانوی راج کے زمانے تھے جس میں ایک میم صاحب.. بے شک وہ ایک سردارنی ہی کیوں نہ ہو نہایت مقدس اور ہیجان خیز ہوتی تھی تو پھر.. ایسی پیش قدمی کے بعد..''

''تم چُپ نہیں ہو سکتے..'' نتالیہ نے اُس کی کمر میں ایک سیدھی اُنگلی چبھودی ''اب میں بلَش کر رہی ہوں.. چُپ ہو جاؤ''

''اتنے بچے جننے کے بعد..اتنا عرصہ امریکہ رہنے کے باوجود بھی..''

''ہاں..'' اور واقعی اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور وہ اُسے نہیں زمین کے اُس ٹکڑے کو تکتی تھی جس پر سمندر پھل کے سُرخ پھول ایک تواتر سے گرتے چلے جاتے تھے..''مرد اور عورت اس لیے الگ الگ کر دیئے گئے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ ہی نہیں سکتے..اُن میں محض انسان ہو جانا مشترک ہے ورنہ اُن کے قبیلے الگ ہیں.. پہلے دو چار برس کے بعد بھی بخاری کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ جنسی رابطہ میرے لیے اتنا اہم نہیں جتنا اُس کے لیے ہے..اُس کے لیے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا..کیونکہ اُس کے لیے مردانگی کا اظہار اُلفت میں نہیں محض اُس طوالت میں تھا جس سے اُسے تسکین نہیں ملتی صرف روایتی داستانوی تشفی ملتی ہے کہ وہ کمال کا مرد ہے..اور عورت اُسے سہتی جاتی ہے..اقرار کرتی جاتی ہے کہ وہ کمال کا مرد ہے اگرچہ وہ ہوتا نہیں..متعدد بچے پیدا کرنے اور امریکہ میں رہنے سے ایک عورت بدل نہیں جاتی..جنسی رفاقت کی سینکڑوں راتوں کے بعد..اگرچہ اُن میں کچھ راتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں وہ حظ اُٹھاتی ہے..ان کے بعد بھی ایک عورت میں بلَش ہو جانے کی صلاحیت باقی رہتی ہے..''

''اوہ رئیلی..؟'' اُس نے نتالیہ کے ''اوہ رئیلی'' کے امریکی لہجے کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔

''ہاں..اور میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں..ایک ایسا راز جس میں ایک عورت کسی کو بھی شریک نہیں کرتی اور اس کے باوجود میں تمہیں اس اعتماد کے ساتھ بتاتی ہوں کہ اسے سننے کے بعد تم بھی بلَش کر جاؤ گے''

دو ایک مرتبہ پھر ''اوہ رئیلی'' کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے نہیں کہا اور اُس نے کہا ''عمر کے اس حصے میں..اس عمر میں تو کوئی بھی ہیجان یا حرکت باقی نہیں رہتے..بلَش کر جانا..چہرہ سُرخ کر لینا تو نوعمری یا جوانی کا ایک شرمیلا ردِعمل ہے..''

''اس پر تو شرط لگ سکتی ہے..از دیٹ اے بیٹ..'' نتالیہ نے ہتھیلی کھول کر اُس کے آگے کر دی..

''بہت زیادہ امریکی نہ ہو جاؤ..وہ بات کرو..جو بات بھی ہو گی مجھے بلَش کرنے کے

لیے ناکافی ہوگی کہ میں ٹھنڈا پڑ چکا ہوں..تم آزمالو..''

وہ ذرا سی اُس سے الگ ہوگئی' اپنے آپ میں سمٹ گئی..ایک حجاب میں چلی گئی..

پچھتانے لگی کہ اُس نے کیوں ایسا دعویٰ کیا ہے اور پھر حجاب کی اُسی چادر میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش میں بولی ''بخاری..اتنی سینکڑوں راتوں اور بعض اوقات دن کی روشنی میں بھی اپنی طوالت اور مردانگی سے مجھے پگھلا نہیں سکا..میں کبھی گیلی نہیں ہوئی..یہاں تک کہ اپنے آپ کو اذیت سے بچانے کی فکر میں ہمیشہ سائیڈ ٹیبل پر ایک کریم رکھتی ہوں..اپنے اندرون کو نرم کرنے کی خاطر....اور تم...'' وہ خاموش ہوگئی..

''یہ راز کی بات تھی؟''

''نہیں..جب کہ..'' وہ اٹھنے لگی ''جب کہ..میں سُوکھی رہی ہوں آج تک اور..پہلے روز جب ہم ملے..تو محض تمہاری قربت سے میرے اندر سیلاب آ گیا..تم صرف میری طرف دیکھتے ہو تو مجھ میں نمی پھوٹنے لگتی ہے''

وہ بری طرح بلَش کر گیا..

حالانکہ اُس نے مصمّم ارادہ کر رکھا تھا کہ اُسے غلط ثابت کرنے کے لیے وہ جتنی مرضی چونکا دینے والی اور کھلی بات کرے گی وہ پتھر کا چہرہ بنائے بیٹھا رہے گا..جنس کی کسی کتاب میں اس قسم کے ردِّعمل کا تو کوئی اشارہ نہ ملتا تھا..وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت مکمل شادی شدہ زندگی کے دوران بالکل خشک رہے..ایک راستہ برسوں تک زیرِاستعمال رہے اور اُس کے اندر نمی کی ایک بوند بھی جنم نہ لے..گیلا نہ ہو..اور پھر صرف اُس کی قربت سے....بنا ملاپ کے..وہ..کیا وہ سچ کہہ رہی ہے یا اُسے خوش کرنے کی کوشش میں ہے..

یا پھر یہ ایک اشارہ ہے..

اُس کا..نتالیہ کا چہرہ ایسے سپاٹ تھا جیسے ٹیلی ویژن پر تجارتی خبریں سنانے والی خاتون کا ہوتا ہے اور اُس نے اُسی سپاٹ چہرے سے ایک سپاٹ سا فقرہ بولا ''میں نے شرط جیت لی ہے..''

اُس نے کچھ نہ کہا..چُپ رہا.

شیر دھاڑتا دھاڑتا شائد نڈھال ہو چکا تھا..اُس میں دَم خم باقی نہ رہا تھا..اگر یہ ایک اشارہ تھا تو کیا وہ اب بھی دھاڑ سکتا تھا..یا محض چاؤں چاؤں ہی کرنے کے قابل رہ گیا تھا..

''شرط ہار جانے کو اتنی سنجیدگی سے تو نہ لو..'' وہ اُسی طرح سپاٹ لہجے میں بولی ''اگر مجھے ذرّہ برابر بھی شائبہ ہوتا کہ تم شرمانے کے علاوہ یوں چُپ ہو جاؤ گے تو میں اس کا تذکرہ نہ کرتی.. لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ میں...اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم کیوں سوچ میں پڑ گئے ہو''

اُس نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا..

''تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں..ایک اشارہ دے رہی ہوں..

''نہیں..نہیں''

''ہاں یہ خیال تمہارے ذہن سے گزرا ہے..لیکن میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہیں کوئی اشارہ نہیں دے رہی..میں پچھلے چھ ماہ سے تمہارے ساتھ رہتی ہوں اور اس دوران کوئی ایک لمحہ بھی مجھ پر نہیں آیا جب میں نے جنس کے بارے میں سوچا ہو..ہاں اگر میرا بدن سوچتا ہے تو وہ مجھ سے الگ سوچتا ہے..نمی کی پھوٹ پر میرا اختیار نہیں..اس کے باوجود یہ ایک اشارہ نہ تھا..''

شجر کی بلند ترین شاخوں سے چمگادڑوں کے اُلٹے لٹکتے سیاہ پھریرے چیں چیں کرتے غل مچانے لگے..شائد اُن کے درمیان لمبی دُم والا کوئی غشپ پرندہ اُتر آیا تھا جس کے خوش نظر رنگین پروں کو دیکھ کر وہ حسد میں مبتلا ہو کر شور کرنے لگی تھیں..

پھر وہ گنبد نظر آنے لگا جو آستانۂ رُومی کی پہچان تھا اور جس کے نیچے اب اُس کے بابا دفن تھے..

گنبد کی پہلی جھلک نے اُس کے پاؤں کو جکڑ لیا.. اُسے اپاہج کر دیا اور وہ جہاں تھی وہیں رُک گئی' ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکی.. پھر اُس کی آنکھوں کو بھی اُس گنبد نے جکڑ لیا جس کے نیچے اب اُس کے بابا دفن تھے اور اُن میں سے دھاریں پھوٹنے لگیں.. وہ چارے کے ایک ہریا دل کھیت کنارے سر جھکا کر بیٹھ گئی اور رونے لگی.. اپنا دایاں ہاتھ حرکت میں لا کر بہت مدھم آہستگی سے سینہ کوبی کرنے لگی.. جیسے بین کرتی ہوا یسے ایک بھرائی ہوئی مختلف آواز میں کہ یہ اُس کی آواز نہ تھی جس میں وہ بین کرتی تھی.. گنبد کی جانب بایاں ہاتھ بلند کر کے جیسے اُس سے مخاطب ہو کہنے لگی... ''بابا میں تمہارے پاس اس حالت میں کیسے حاضری دوں.. آپ کہیں گے کہ پُتری تو کیا تھی اور کیا ہو گئی ہے..''

وہ اُس کے ماتم میں مخل نہ ہوا نہ اُسے کوئی ڈھارس دی نہ تسلی کا کوئی لفظ اُس کی زبان پر آیا.. اُس کے برابر میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا..

''رُودین.. مجھے سب کچھ بھول چکا ہے.. اپنے جَنے ہوئے بچے بھی.. لیکن سوان نہیں بھولتا... میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں..''

''سوان...'' وہ ایک تھکا دینے والے دن کے بعد.. شیر کی دھاڑ کی گونج کانوں کے پردوں پر ابھی تک لرزتے دن کے اختتام کے بعد بے سکت ہو چکا ایک عمر رسیدہ اونگھ میں تھا جب وہ بھی تھکاوٹ کی ماری ہوئی بے سُدھ ہو رہی تھی تو اُس نے سر اُٹھا کر کہا تھا.. میں اُس سے ملنا

چاہتی ہوں..

''کون سوان...''

''اس کا مطلب ہے تم میرے خطوں کو فراموش کر چکے ہو..''

''پچیس برس پیشتر جو کچھ لکھا گیا تھا کہ میں اُسے حرف بہ حرف یاد رکھ سکتا ہوں..؟''

اُس کے لہجے میں بیزاری تھی..

''اُن میں بابا کے علاوہ سب سے زیادہ ذکر سوان کا ہوتا تھا..میرے بھائی کا''

''ہاں..'' وہ اپنی اونگھ اور بیزاری سے باہر آ گیا'' سوان..چھوٹے شاہ جی..اچھا کھانا کچھ نہ کرنا اور پیر بچوں کی پیروی میں کند ذہن' لڑاکے اور مریدوں کی بے وجہ ٹھکائی کرنے والے چھوٹے شاہ جی..''

''ہاں وہی...''

''مجھے یاد ہے..مجھے یاد ہے..جسے ایک پروفیسر نے خراب کر دیا تھا اور وہ کمیونسٹ ہو گیا تھا..لومبا یونیورسٹی ماسکو میں پتہ نہیں کیا پڑھنے چلا گیا تھا اور وہاں سے تمہیں روسی ادب کے ترجمے بھیجا کرتا تھا' مجھے یاد ہے''

''تم نے..میرے خطوں کو فراموش نہیں کیا..'' نتالیہ جی اُٹھی..

''نہیں..ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اَن دیکھے تھے اگر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تو انہی خطوط نے ہمیں وہ بینائی دی کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے..'' وہ چُپ ہو گیا..

''میں..سوان سے ملنا چاہتی ہوں..''

''وہ کیسا ہے..ان دنوں کیا کر رہا ہے..''

''مجھے نہیں معلوم..پچھلے بیس برس سے نہیں معلوم..''

''اچھا..'' اُس کا منہ کھل گیا اور زردی میں جو دانت آئے ہوئے تھے وہ دکھائی دینے لگے'' تمہارا رابطہ نہیں رہا..اپنے اکلوتے اور محبوب بھائی سے؟''

''نہیں..بیس برس ہو گئے مجھے اُس کی کوئی بھی اطلاع ملے ہوئے..تم جانتے ہو کہ ہم دونوں میں کیسی زبردست دوستی اور ناقابل یقین حد تک لگاؤ تھا..ناصر کزن ہونے کے باوجود میری اور اُس کی قربت کو سمجھ نہیں سکتا تھا..دراصل اُس کے گھرانے میں کسی بھی رشتے سے محبت کرنے کا رواج نہ تھا..نہ اُس کی ماں نے اُسے کبھی منہ لگایا اور نہ کبھی باپ نے شفقت کا اظہار کیا..''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے..''

''ایسا ہوتا ہے..کئی گھرانوں میں ہوتا ہے..لیکن ہم ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت کے کلیشے پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور ردِعمل کو ناممکن سمجھتے ہیں..اُس کے ماں باپ اُسے تمامتر آسائشیں مہیا کرتے تھے لیکن مسلسل ان مہربانیوں کا چرچا بھی کرتے تھے..ماں کسی زمانے میں خوش شکل رہی ہوگی..یعنی میری طلاق شدہ ساس اور وہ چہرے کے پچک جانے کے باوجود.. ذہنی سکون کی گولیاں پھانکنے کے باوجود..کبڑی اور بدہیئت ہونے کے باوجود اپنے نخروں سے باز نہیں آتی تھی..تمہیں پتہ ہے کہ بعض ایسی مائیں بھی ہوتی ہیں جو اپنی سگی اولاد کی خوشی بھی برداشت نہیں کرسکتیں..حسد کی آگ میں جلتی رہتی ہیں...نہیں...یہ نہیں کہ وہ میری ساس تھی اس لیے میں اُس کی بدخوئی کررہی ہوں..نہیں..ناصر بھی بعض اوقات جذبات کی رَو میں بہہ کر اپنی ماں کے بارے میں یہی کچھ کہتا تھا..اُس کی متعدد بہنیں بھی اپنی ماں پر گئی تھیں..نہایت سرد مزاج کی اور چُپ چُپ...تو ناصر کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سوان مجھ پر کیوں نثار ہوتا ہے..دن رات ٹیلیفون کرتا ہے.. میری سالگرہ پر..شادی کی اینی ورسری پر تحفے بھیجتا ہے اور میں کیوں اُس سے پہروں باتیں کرتی قہقہے لگاتی آپے سے باہر ہوتی ہوں..اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا...''

''اُس نے تم پر پابندی لگادی..''

''نہیں اُس نے ایک اعتراض کیا..''

''کیا؟''

''وہ ان دنوں مکمل طور پر امریکی ہوچکا تھا اور امریکی اقدار کے مطابق ایک بہن اور بھائی کی قربت..اتنی چاہت اور مسلسل رابطہ اُس کے نزدیک غیر قدرتی تھا..جب تک کہ اُن کے درمیان وہ تعلق نہ ہو جو حرام ہے..اُسے شک نہیں تقریباً یقین تھا کہ میرے اور سوان کے درمیان یہی رشتہ ہے تو اس ہولناک الزام کے بعد میں چُپ ہوگئی..اُس کے فون آتے تو میں اُس کی اُلفت بھری ''ہیلو'' کو سنتے ہی فون رکھ دیتی..نہ میں نے اس کے کسی بھی خط کا جواب دیا اور جب اُس کا ایک نزدیکی دوست پاکستان سے امریکہ آیا اور میرے ہاں آیا تو بھی ناصر نے اُسے شک کی نظروں سے دیکھا..اُس دوست کی معرفت میں نے سوان کو پیغام بھیجا کہ اگر تمہیں میری خوشی عزیز ہے تو آیندہ رابطہ نہ کرنا..تو میں اُسی سوان کو ملنا چاہتی ہوں رودین..''

شام ہونے کو تھی..

راستہ کچا' دُھول بھرا اور تاریکی میں گم ہونے کو تھا.. جس پر وہ تھکے قدموں سے چلتے تھے..

وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ میں نے کیوں نتالیہ کے ہمراہ یہاں... آستانۂ رومی کی جانب آنے کی حامی بھری کہ اُس کو اب پیدل چلنے کی عادت نہ رہی تھی.. اُس کا بدن متحمل نہ ہوسکتا تھا..

لاہور سے چلنے والی ویگن نے اُنہیں آستانۂ رومی سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر اُتار دیا تھا..

''میں ان کھیتوں میں اوس بھرے بُوٹوں پر ہاتھ پھیرتی چلا کرتی تھی..''

اُسے ہر بوٹے ہر پتے کی پہچان ہو رہی تھی..

پھر وہ گنبد نظر آنے لگا جو آستانۂ رُومی کی پہچان تھا اور جس کے نیچے اب اُس کے بابا دفن تھے..

وہ اس کے برابر میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ کب وہ رونے دھونے اور اپنے ماتم سے فارغ ہو اور کب وہ اپنا سفر جاری رکھ سکیں..

وہ اُسے پہلی بار روتے ہوئے دیکھ رہا تھا...

ایک عورت چاہے مکر اور فریب میں اپنی بات منوانے کی خاطر روئے یا سچائی اور سنجیدگی سے روئے.. اُس کے آنسو برداشت نہیں ہوتے.. لیکن رُودین بے اثر اور لاتعلق رہا.. اُس کے ماتم میں مخل نہ ہوا.. اُس کے برابر میں بیٹھا انتظار کرتا رہا.. تا آنکہ نتالیہ کے آنسوؤں میں تسلسل باقی نہ رہا اور پھر اُس نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اب چلو.. ہمیں لاہور واپس بھی پہنچنا ہے..''

اُن سب نے جو خانقاہ کے گنبد تلے سر جھکائے تعظیم اور عقیدت میں سرنگوں ہوئے بیٹھے تھے اُن دونوں کی آمد کو محسوس کیا سر اُٹھا کر انہیں ایک نظر دیکھا اور پھر سر جھکا لیے.. بابا کی قبر کے سرہانے اُس کے ساتھ ٹیک لگائے.. سبز عبا جس کے کناروں پر گوٹے کی جھالر تھی' سبز عمامے میں ملبوس ایک ایسی داڑھی کے ساتھ جس کے بارے میں مرید کہتے تھے کہ یہ بابا کی داڑھی سے بے حد مشابہت رکھتی ہے وہ بھی سر جھکائے عالم استغراق میں تھا.. بھاری پپوٹے بند تھے اور کبھی

کبھار اُس کے تن وتوش کو ایک جھٹکا سا لگتا اور پھر سے ساکت ہو جاتا..

نرم نرم سفید نورانی داڑھیوں والے چند خانقاہی درویش اُس کے قدموں میں بیٹھے زیرلب کچھ پڑھ رہے تھے..اُن کے ہاتھوں میں قد آدم تسبیحاں تھیں جنہیں وہ پھرول رہے تھے..

خانقاہ سے ملحقہ ایک حجرے میں مٹھائی کے کھلے اَن کھلے ڈبوں اور پوٹلیوں کا ایک انبار تھا جو چھت تک پہنچنے کے بعد دروازے کے راستے خانقاہ کے فرش پر آ چکا تھا..مٹھائیوں کے اس ڈھیر پر بے اَنت مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں..گنبد تلے انسانی آوازوں کی مدھم لے کے ساتھ یہ بھنبھناہٹ بھی گونجتی تھی..

اُنہیں اُس کی قربت حاصل نہ ہو سکتی تھی کہ درجنوں مرید..اُن میں اُجڈ دیہاتی بھی تھے اور شہر سے آئے ہوئے پڑھے لکھے لوگ بھی..بڑی تعداد عورتوں کی تھی..اور یہ سب راستے میں حائل محو عبادت تھے اس لیے وہ دروازے کے قریب ہی جوتیوں کے پاس بیٹھ گئے..

خانقاہ کا اندرون مختصر تھا اس لیے حکم تھا کہ جونہی کوئی اور مرید اندر داخل ہو تو پہلے سے موجود زائرین میں سے کوئی ایک باہر چلا جائے..چنانچہ نتالیہ اور رُودین کے اندر آتے ہی دو مرید ناگواری سے اُٹھے اور اُن پر ناپسندیدگی کی نظریں ڈالتے باہر چلے گئے..

''رُودین..یہ سوان تو نہیں ہے..'' نتالیہ نے سبز عبا اور عمامے میں ملبوس محو استغراق شخص کو تادیر دیکھنے کے بعد سرگوشی کی..

وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ تلملا گیا ''میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوان ہے یا نہیں' یہ جو بھی ہے اُسے میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں..تمہیں پتہ ہونا چاہیے''

''سوری..''

وہ ایک سیاہ چادر کی بُکل مارے اُسے اپنے چہرے پر کھینچے آبدیدہ ہونے کے قریب اُسے تک رہی تھی جسے پہچاننے میں اُسے دشواری ہو رہی تھی..وہ اگر سوان تھا تو پہلے سے تگنی جسامت کا ہو چکا تھا اور اُس کی سبز عبا کا گھیرا بابا کی قبر پر بچھا جاتا تھا..گھنی داڑھی میں اُس کے نین نقش پوشیدہ ہو رہے تھے اور ہاں یہ داڑھی بابا کی ہی تھی..وہی ملائمت اور گھنا پن صرف اس کی سفیدی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی' کہیں کہیں سیاہ بالوں کی لٹیں موجود تھیں..کیا سچ مچ کبھی ایسا ہوا تھا کہ اُس نے بابا کی داڑھی میں سے ننھے منے مختصر رنگ برنگے پرندے برآمد ہوتے دیکھے تھے جنہوں نے خانقاہ کے گنبد کو بھر دیا تھا..وہ اُس کے استغراق پر نظریں جمائے تکتی رہی..اور وہ اُس

سے بہت دُور آنکھیں بند کیے بابا کی قبر کے سرہانے سے ٹیک لگائے اپنے آپ میں گم بیٹھا رہا..
اُس کا جی چاہا کہ وہ مریدوں کو روندتی ہوئی اُس کے قریب جا کر اُس سے لپٹ جائے اور کہے..
سوان..اگر تم سوان ہو تو..تم نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے..کیا بھیس بنا رکھا ہے..تم ایسے کیسے
ہو گئے..تمہارے نظریات کیا ہوئے..تم ہی نے تو مجھے آزاد کیا تھا..اسی خانقاہی نظام کو ڈھا دینے کی
جستجو اور آرزو کی تھی..اور اب...

دبے پاؤں کوئی مرید خانقاہ کے دروازے میں سے داخل ہوا..فرش پر سر جھکائے ہجوم
میں سے جھکا ہوا اُن کے کندھوں پر معذرت کے ہاتھ دھرتا راستہ بناتا بمشکل اُس تک پہنچا اور
مٹھائی کا ایک ڈبہ اُس کے قدموں میں رکھ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا..وہ دیر تک کھڑا رہا اور پھر
جھک کر ایک مؤدب اور بھرائی ہوئی آواز میں درخواست کی ''پیر مٹھا..سرفراز فرمائیں''

پیر مٹھا...نتالیہ کے ذہن کے تاریک کونوں میں ایک جھماکا سا ہوا..تب بھی لوگ کہا
کرتے تھے کہ چھوٹے شاہ جی میں جو بابا کے پردادا تھے شائد اُن کی روح ہے ویسی ہی طبیعت ہے
اور سوان اس موازنے پر ہنسا کرتا تھا اور کارل مارکس کے پیروکار کی حیثیت میں اس گئے گزرے
زمانوں کے پیر مٹھا کے بارے میں سخت نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا..

مرید کھڑا کھڑا تھک گیا اور پھر جھک کر التماس کی ''شاہ جی بڑی دُور سے آیا ہوں
پینڈے مارتا..گوجر خان کے گلاب جامن اور پیڑے ہیں..سرفراز فرمائیں''

''ڈبہ کھول..ڈبہ کھول..'' نووارد کے آس پاس بیٹھے لوگوں نے سرگوشی کی..

نووارد گھبرا گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا اور قدموں میں سے ڈبہ اٹھا کر اُسے لرزتے ہاتھوں
سے کھولا اور شاہ صاحب کے آگے کر دیا ''میری حیاتی سنور جائے گی پیر جی..عاقبت سنور جائے
گی..چکھ لیں..گوجر خان کی مٹھائی ہے..''

تب اُس نے اپنے بھاری پپوٹے اُٹھائے اور اُس کی آنکھیں جیسے راتوں کو جاگنے
والوں کی طرح نیم سرخ ہوتی ہیں وہ پہلی بار کھلیں اور نتالیہ نے اُس لمحے اُسے پہچان لیا..بابا کی
داڑھی میں سوان کی آنکھیں جوں کی توں محفوظ تھیں..

سوان نے کھلی آستین میں سے اپنا ہاتھ بڑھا کر یہ جانے بغیر کہ اُس کے سامنے کون
کھڑا ہے ایک خوابناک حالت میں ہاتھ بڑھا کر ایک گلاب جامن اٹھایا اور اپنے منہ میں رکھ لیا..
نووارد مرید خوشی سے کانپنے لگا' اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے..وہ جھکا ہوا پیچھے

ہوا..ایک دو مریدوں کے سروں سے ٹکرایا..اور پھر مٹھائی کا ڈبہ حجرے میں سے اُمڈتے مٹھائی کے ڈبوں کے انبار میں رکھ کر سب سے پیچھے رُودین اور نتالیہ کے پیچھے دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور اُس کی چوکھٹ پر سر رکھ کر گریہ کرنے لگا..

تو وہ سوان ہی تھا..

''یہ سوان ہی ہے..'' نتالیہ نے اُسی انداز میں سر جھٹکا جیسے وہ اپنی پسندیدہ بیس بال ٹیم کو ٹیلیویژن پر سکور کرتے دیکھ کر پُر مسرت ہو کر جھٹکتی تھی ''اُس کی آنکھیں نہیں بدلیں۔''

اور وہ اپنی گھڑی پر بار بار نگاہ کرتا تھا کہ ہم یہاں رات تو بسر نہیں کر سکتے ابھی ہمیں تاریکی میں کچے راستے پر تین چار کلومیٹر پیدل مسافت کر کے بس سٹینڈ تک پہنچنا ہے اور پھر کہیں صبح سویرے لاہور کے نواح دکھائی دیں گے..اس متوقع سفر کی صعوبت وہ ابھی سے محسوس کرتا تھک رہا تھا..لاہور سے روانہ ہوتے ہوئے اُن کا یہی خیال تھا کہ اگر تو سوان کہیں نقل مکانی نہیں کر گیا اور خانقاہ کے آس پاس اپنی حویلی میں ہی مقیم ہے تو وہ یہ رات اُس کے ہاں گزاریں گے اور اگلی سویر لوٹ جائیں گے..لیکن یہاں سوان نہ تھا..پیر مٹھا بیٹھا تھا جو صرف سوان کی آنکھیں سنبھالے ہوئے تھا اور ان دونوں کی موجودگی سے بے خبر تھا..آنکھیں بند کیے بابا کی قبر کے سرہانے سے ٹیک لگائے جیسے ایک حالت خمار میں ہو اُن کی موجودگی سے بے خبر بیٹھا تھا..

گنبد کے درمیان میں سے زنجیر سے اُترتے ایک فانوس کی روشنی تھی جو شائد اُس آمر کی عطا تھی جو ایک زمانے میں بابا کی قدم بوسی کو آیا تھا اور اگربتیوں اور تیز عطر کی مہک میں مریدوں کی بڑبڑاہٹ اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ ایک ہلکی گونج کا سبب بنتی تھی..

اپنی سیاہ چادر کی اوٹ میں سے نتالیہ ڈبڈباتی آنکھوں سے دیکھتی رہی..

کبھی وہ بھول چکے فراموش شدہ زمانوں کی آستانہ رُومی کی نوخیز پُتری ہو جاتی..لاڈلی اور نوخیز اپنے حسن کے زعم میں سیاہ بنگالی بالوں کو شانے پر پھیلائے نہانے کے بعد سکھانے کے لیے نرگسیت کے آئینے تھامے سوان کی عطا کردہ آزادی کی آڑ میں رُودین کو خط لکھتی..اپنے پپوٹے سونگھتی جن میں سے لہسن اور پیاز کی بُو جاتی ہی نہ تھی' اُنہیں بابا کے باتھ روم میں طرح طرح کے ولایتی صابنوں سے دھوتی اور پھر سے اپنے پپوٹوں کو سونگھتی جن میں سے وہ مہک جاتی ہی نہ تھی اور کبھی جب سوان ماسکو سے لوٹا تھا تو اُس نے ایئرپورٹ سے اُتر کر قدرے بے رُخی کی تھی اُسے ملا نہیں تھا محض اُس کے کندھے تھپکے تھے اور پھر بقیہ رشتہ داروں سے گلے ملنے میں لگ گیا تھا اور

جب وہ دونوں ایک کمرے میں بالآخر تنہا ہوئے تھے تو وہ چیخیں مارتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی تھی اور وہ ہنس ہنس کر کہتا تھا۔ ''ڈیئر کامریڈ کیا حال ہے۔ ہم دونوں مل کر ایک انقلاب لائیں گے اس خانقاہ کو ڈھا دیں گے۔''

اور کبھی وہ اُسے۔ سوان کو تکتی۔ سبز لبادے اور عمامے میں آنکھیں بند کیے ہوئے تکتی' کانونٹ کے برآمدوں میں چلنے لگتی۔

اور پھر یکدم ہی ایک بوڑھی۔ بچوں والی طلاق یافتہ عورت ہو جاتی۔

بہت کچھ ہوتی۔ لیکن کبھی وہ ایک پل کے لیے بھی اُن دنوں میں نہ جاتی جو اُس نے ناصر بخاری کے ساتھ بسر کیے تھے۔

یا تو وہ ماضی کے دُھندلکوں میں بسیرا کرتی اور یا پھر وہ حال کی تھکاوٹ میں آ جاتی۔ درمیان میں کہیں نہ رُکتی۔

ناصر اور اُس کے درمیان جو حیات بسر ہوئی۔ پچیس برس بسر ہوئے اُن برسوں کا ایک لمحہ بھی کسی تصویر میں فوکس نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ اس تصویر میں اُس کا کوئی ایک بچہ بھی نہ اُبھرتا۔

اپنے خمار میں مست بابا کی قبر کا آسرا لیے سوان آنکھیں بند کیے۔ اگر آنکھیں کھولتا تب بھی مریدوں کے اُس ہجوم کے آخر میں خانقاہ کے دروازے کے پاس جہاں جوتیاں پڑی تھیں وہاں اُس نیم تاریکی میں ایک سیاہ چادر اوڑھے ایک عورت اُسے کہاں نظر آتی اگر نظر آ بھی جاتی تو پہچان کہاں سے آتی۔ جانے خمار کی اس حالت میں پہچان کی صلاحیت باقی بھی تھی یا نہیں۔

وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اُسے تکتی رہی۔

وہ اس گاؤں کی سید زادی شہزادی ہوا کرتی تھی۔

باپ کے مرنے کی خبر اُس سے چھپائی گئی کہ پردیس میں اُس کے آنسو کون پونچھے گا اُسے کون سنبھالے گا... کوئی دُور پار کا عزیز مہینوں بعد اُن کے ہاں آیا تو اُس نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ماں کے رُخصت ہونے پر کسی بچے کے ہائی سکول کے اشد ضروری امتحان تھے اُس نے سوچا میں چہرہ تو اب دیکھ نہیں سکتی اگلے ہفتے چلی جاؤں گی۔ اگلے ہفتے ناصر نے جو ان دنوں سراسر امریکی ہو چکا تھا کہنے لگا۔ اور وہ بے حد ہمدرد تھا۔ جتنی رقم تم آنے جانے پر خرچ کرو گی کیا یہ بہتر نہیں کہ اتنی رقم میں تم اپنی گاڑی بدل لو۔ تم اب اُن کا چہرہ تو دیکھنے سے رہی۔ قبر کی مٹی دیکھنے کے لیے اتنی تگ و دو اور خرچہ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ اور اُسے۔ لاہور سے چلتے ہوئے بھی یہ

خیال نہ آیا.. یہاں اتنی دیر بیٹھے رہنے کے باوجود اپنے گاؤں میں ہونے کے باوجود اُسے خیال نہ آیا کہ گاؤں سے ملحقہ قبرستان جس کے قریب سے وہ کچا راستہ گزرا تھا جس پر چلتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے.. وہاں اُن کی قبریں تھیں.. اور وہ اُن تک نہیں گئی تھی.. خیال ہی نہیں رہا تھا.. جن کے بغیر چین نہ آتا تھا' ایک لمحے کے لیے نظروں سے اوجھل ہوتے تھے تو وہ بلکنے لگتی تھی.. وہ اُن کی مٹی کے برابر میں سے ہو کر گزر گئی تھی..

اُس کے لیے سوان ہی وہ دھاگا تھا جس نے اُسے آستانہ رُومی سے باندھ رکھا تھا.. واحد کشش تھی..

اور وہ اُسے پہچان نہیں رہا تھا.. آنکھیں کھولے تو پہچانے!

یہ وہ سوان تو نہ تھا.. تیز چمکیلی آنکھوں والا انقلابی جو معاشرے کی بوسیدہ اقدار کو رد کر کے ایک مثالی نظام کے خواب دیکھتا تھا.. جو خانقاہی نظام کو افیون قرار دے کر اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا.. اُسے یقین تھا کہ پچیس برس بعد جب وہ گاؤں میں داخل ہو گی تو وہ اپنے انقلابی نظریات پر قائم و دائم شائد ایک ٹریکٹر پر سوار اپنی زمینوں میں جدید زراعت کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے نت نئی فصلیں اگا رہا ہو گا.. باغ لگاتا ہو گا.. اور اُسے دیکھ کر وہ ٹریکٹر سے چھلانگ لگا کر اُترے گا اور اُسے گلے لگا کر کہے گا.. ہیلو کامریڈ اتنا عرصہ کہاں رہے.. اُسے یقین تھا کہ سوان ایسا ہی ہو گا..

سوان کے پیر مٹھا ہو جانے.. پر اُسے ایک دھچکا لگا تھا.. وہ ابھی تک اس کی شدت کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہو رہی تھی..

ویسے اس سوان کو بھی اگر یہ علم ہو جائے کہ وہ اپنے بال بچے ترک کر کے ایک غیر مرد کے لیے پاکستان چلی آئی ہے اور اُس کے ساتھ نکاح کے بغیر رہتی ہے تو اُسے بھی دھچکا لگے..

ہاں اُن دنوں جب وہ تغیر اور مکمل تبدیلی کی جدوجہد میں جُتا ہوا تھا اُن دنوں اگر ایسا ہوتا تو شائد وہ اُس کی صورت حال سے اتفاق کر کے اُسے قطعی طور پر موردِ الزام نہ ٹھہراتا..

اُس نے تو اُسے ڈولی میں بٹھانے سے پیشتر.. اگرچہ اُن دنوں بھی دولہنوں کو ڈولی میں بٹھا کر رخصت کرنے کا رواج متروک ہو چکا تھا لیکن خاندانی روایت کے تسلسل میں اُسے ڈولی میں بٹھا کر ہی سسرال بھیجا گیا.. تو سوان نے اُسے ڈولی کی کال کوٹھڑی میں دھکیلنے سے پیشتر کہا تھا.. کامریڈ گھبرانا نہیں.. ناصر بخاری ہمارا عزیز ہے' خالہ زاد ہے اور تمہاری خواہش رکھتا ہے' مجھے پورا

بھروسہ ہے کہ وہ تمہیں خوش رکھے گا..لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم ایک جانور نہیں ہو..انسان ہو..اپنی عزت نفس کو مجروح نہ ہونے دینا..ظلم اور زیادتی کو ایک حد تک سہنا..نہ سہہ سکو تو ایک جانور کی مانند اطاعت اختیار نہ کرنا..آزاد ہو جانا..

اب وہ آزاد ہوئی تھی تو سوان پیر مٹھا میں قید ہو چکا تھا..

''نتالیہ..'' ایک سرگوشی میں اُس نے پکارا..وہ متوقع سفر کی تھکاوٹ سے تھکا ہوا بیزار ہو چکا تھا اور وہ جان گئی کہ اب وہ جانا چاہتا تھا..اور اُسی لمحے اُس نے پھر سرگوشی کی ''چلیں..''

اور اُسی لمحے اس خیال نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا..اس کی ہولناکی نے اُسے خوفزدہ کر دیا کہ وہ ابھی اُٹھے گی اور سوان سے بات کیے بغیر خانقاہ کے دروازے میں سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گی اور اُس کا تن بدن جانتا تھا کہ یہ آخری بار ہے کہ وہ سوان کے سامنے ہے..اب گنجائش نہیں ہے اور اسی لمحے وہ اپنی خوفزدگی سے یکسر نکل گئی..کچھ اور ہو گئی..گئے زمانوں کی آستانہ رُومی کی نوخیز پُتری ہو گئی لاڈلی' اپنے حسن میں مگن' اپنے پپوٹوں کو سونگھتی..پچیس برس کی جھرّیاں اُس کے چہرے سے زائل ہو گئیں..گھٹنوں کا درد بھی باقی نہ رہا' اتنی نوخیز اور بیباک ہو گئی..وہ یکلخت اُٹھی..ایک بے نیازی اور بے پروائی کی کیفیت میں سیاہ چادر کو سر سے اتارا' صرف کندھوں پر رہنے دیا اور اپنے آگے سر جھکائے ہجوم میں سے تحمل سے راستہ نہ بناتی بلکہ اُن پر ٹاپتی..انہیں بیدردی سے دھکیلتی' مسکراتی بے نیاز کھلکھلاتی اُس کے قدموں میں جا بیٹھی..

''سوان...'' اُس نے اُس کا سبز لبادہ پکڑ کر جھنجوڑا..

وہ بے حرکت رہا..اُسی غنودگی میں گم پڑا رہا..

''ہیلو کامریڈ...''

سوان نے مُندھی ہوئی لال بھوٹی آنکھیں کھول دیں..

''کون؟''

''میں...''

''مٹھائی لائی ہو؟''

''سوان..یہ میں ہوں..''

''نہیں لائی تو یہاں کیا کر رہی ہو پیر مٹھا کے قدموں میں..''

نہ اُس کی سرخ آنکھوں میں کوئی ڈورا تھا شناسائی کی..نہ اُس کے داڑھی میں نیم پوشیدہ

چہرے پر پہچان اور جان لینے کا کوئی شائبہ تھا۔ اُس کے بھاری پپوٹے پھر سے بند ہو گئے۔ بابا کی قبر کے سرہانے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ ذرا کھسکا اور پھر سنبھل گیا اور اُسی عالم مدہوشی میں چلا گیا۔۔
نتالیہ نے کندھوں پر ڈھلکتی چادر کو سنبھال کر سر پر اوڑھا اور اُنہی قدموں پر واپس ہو گئی۔۔

نصف شب کی تاریکی میں وہی کچا راستہ تھا جس پر چل کر وہ آئے تھے۔۔ جو کہیں کہیں دکھائی دے جاتا تھا۔۔ جب پیر منّھا کی قرأت کی گونج اُن تک پہنچنے لگی۔۔ نہ وہ کہیں لڑکھڑاتا تھا' نہ ڈولتا تھا اور نہ ہی اُس کی زبان نشے سے بھاری ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑتی تھی۔۔ وہ بلند آہنگ میں مصری لہجے میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا جس کی گونج اُن کا پیچھا کر رہی تھی۔۔

''الا تزرو و ازرۃ و زراخری وان لیس لا انسان الا ماسعی''